© rasailojaraid.com

۹۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، ترجمان القرآن، ساہتیہ اکادمی دہلی، ج:۲،ص:۲۳۲

۱۰۔ ابویوسف، قاضی، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، طبع قاہرہ، ۱۳۵۲ھ،ص:۱۳۰،

۱۱۔ سرخسی، شمس الائمہ محمد بن احمد، المبسوط، مطبعۃ السعادۃ مصر، ۱۳۲۴ھ، ج:۹،ص:۵۶،

۱۲۔ مرغینانی، برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر، ہدایہ، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ج:۳،ص:۸۶،

۱۳۔طبری، ابوجعفر، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دارالمعارف مصر، ج:۴،ص:۱۳۷

۱۴۔ بدائع الصنائع، ج:۷،ص:۱۱۳۔ خالص اسلامی آبادیوں سے مراد وہ مقامات ہیں جو اصطلاح شرع میں 'امصار المسلمین' کہلاتے ہیں۔اس لفظ کا اطلاق صرف ان مقامات پر ہوتا ہے جن کی زمین مسلمانوں کی ملکیت ہو اور جن کو مسلمانوں نے اظہارِ شعایرِ اسلام کے لیے مخصوص کرلیا ہو۔(مودودی، اسلامی ریاست،ص:۵۸۸)

۱۵۔ابن العربی، ابوبکر محمد بن عبداللہ، احکام القرآن، ج:۲ مطبع البابی الحلبی، ۱۹۶۷ئ،ص:۷۳۵۔۷۳۶

۱۶۔ تفہیم القرآن، ج:۱،ص:۵۷۱

۱۷۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی الحنفی، احکام القرآن، طبع مصر ۱۳۴۷ھ ج:۳،ص:۱۰۳۔۱۰۴

۱۸۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج:۸،ص:۷۶

۱۹۔ شرح السیر الکبیر، ج:۱،ص:۱۳۸۔۱۳۹

۲۰۔ طبری، جامع البیان، ج:۱۷،ص:۱۱۴۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک تفسیر میں اس کے برعکس 'بیع' سے یہود کی عبادت گاہیں اور صلوات سے نصاریٰ کے کنیسے مراد لیے گئے ہیں۔

۲۱۔ قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ج:۱۳،ص:۷۰۔ اسی سے ملتی جلتی بات ابن قیمؒ نے اَحکام اَھل الذمۃ (ج:۲،ص:۶۶۸) میں لکھی ہے۔

۲۲۔ ماوردی، النکت والعیون، ج:۳،ص:۸۴

۲۳۔ ابن قدامہ، المغنی، ج:۱۳،ص:۲۴۰

۲۴۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج:۱۲،ص:۷۰

۲۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، دارالارشاد، بیروت، ۱۳۸۹ھ،ص ۱۴۵،

۲۶۔ ابن قدامہ المقدسی، المغنی علی مختصر الخرقی، تحقیق الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، الدکتور عبدالفتاح، محمد الحلو، ج:۱۳، طبع مصر،۱۹۹۲ئ، ۱۴۱۳ھ،ص:۲۳۹۔۲۴۰۔

۲۷۔حوالۂ سابق،ص:۲۴۰

۲۸۔ جصاص، اَحکام القرآن، ج:۳،ص:۱۰۸

۲۹۔ شوکانی، محمد بن علی،، فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر، تحقیق احمد عبدالسلام،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طبع بیروت، ۱۹۹۴ئ/ ۱۴۱۵ھ، ج:۲،ص:۶۴۴،

۳۰۔ نووی، محی الدین ابوزکریا یحییٰ، شرح مسلم، طبع دارالریان للتراث قاہرہ، ۱۹۸۷ئ/ ۱۴۰۷ھ، ج:۲، جز ۴ئ،،ص:۲۶

۳۱۔ جصاص، اَحکام القرآن، ج:۳،ص:۵۳۲

۳۲۔ سیرۃ النبی، دوم،ص: ۳۷۵

۳۳۔ مختصر الفتاویٰ لابن تیمیہ مطبوعہ مصر، ص:۶۵

۳۴۔ شوکانی، فتح القدیر، ج:۲،ص:۶۴۴

۳۵۔ ابن قدامہ، المغنی، ج:۱۳،ص:۲۴۵۔۲۴۶

۳۶۔ زمخشری، الکشاف، ج:۲،ص:۱۸۳

اسلام کی دعوت

مولانا سید جلال الدین عمری

رسول کی تعریف اور اس کی ذمہ داریاں، حضرت محمد مصطفی ﷺ کا عظیم کارنامۂ دعوت، مباحثِ دعوت، دعوت اور اتباع، دعوت و اصلاح کی ترتیب، دعوت کے اصول و آداب، انکارِ دین کے اسباب، دعوت کے لیے ضروری اوصاف (ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ، نماز، زکوۃ، اخلاص اور استقامت) دعوت اور تنظیم، اور تنظیم کیسے مستحکم ہوتی ہے؟ جیسے اہم اور ٹھوس موضوعات پر خالص داعیانہ گفتگو۔ کتاب کے مطالعے سے قاری پر دعوت و تبلیغ کا تصور واضح ہوگا اور اسے اپنے اندر کارِ دعوت کے لیے جذبہ وحرارت کا بھی احساس ہوگا۔ فاضل مصنف کی نظر ثانی اور ضروری حذف و اضافہ کے بعد تازہ اور دلکش ایڈیشن۔

صفحات: ۳۴۴ قیمت: ۲۲۵روپے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر — ۹۳، علی گڑھ — ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی — ۲۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریکات اسلامی کی علمی وفکری ترجیحات

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

دنیا بھر کی اسلامی تحریکات نے مسلمانوں کو عقائد وعبادات سے آگے بڑھ کر سیاست، تہذیب، خاندان و معاشرہ، غیر مسلموں سے تعامل اور زندگی کے تمام میدانوں میں متحرک کرنے کی کوشش کی ہے اور خود کو بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ کرنے کی پالیسی اور پروگرام ترتیب دیے ہیں۔ اس مقالے میں ان موضوعات پر مصر، تیونس اور ہندو پاک کی اسلامی تحریکات کی چند نمائندہ شخصیات کے افکار وآراء سے بحث کی گئی ہے۔

مولانا سید جلال الدین عمری، برصغیر کی تحریک اسلامی کی ایک نمایاں شخصیت ہیں۔ ان موضوعات پر انھوں نے بھی اپنی تصانیف میں اظہار خیال کیا ہے۔ موجودہ دور میں مختلف ممالک سیاسی، نظام میں مسلمانوں کی مشارکت، اصول حکم رانی اور تہذیب و سیاست سے متعلق دیگر موضوعات پر 'تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث' اور 'تہذیب و سیاست کی اسلامی قدریں' میں، مسلمان خواتین کے مطلوبہ کردار پر 'عورت اسلامی معاشرہ میں'، اسلام کا عائلی نظام' اور 'عورت اور اسلام' میں اور غیر مسلموں سے ارتباط و تعامل پر، غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق اور غیر اسلامی ریاست میں مسلمان، میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ان کی روشنی میں مولانا کے خیالات کا تفصیلی مطالعہ ہونا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مقالے میں جو آراء پیش کی گئی ہیں، ان پر بحث و مذاکرہ کی گنجائش ہے۔ جو حضرات ان پر اظہار خیال کرنا چاہیں، ان کے لیے تحقیقات اسلامی کے صفحات حاضر ہیں۔ (رضی الاسلام)

تحریکِ اسلامی نام ہے دین کے پورے نظامِ فکر و عمل کی طرف دعوت دینے اور اس کو قائم کرنے کے لیے اجتماعی جدو جہد کرنے کا۔ یہ جزو کی نہیں، کل کی دعوت دیتی ہے۔ کسی مخصوص تعلیم سے نہیں، شریعت کی تمام تعلیمات سے بحث کرتی ہے۔ کتاب الٰہی کی چند آیات کا انتخاب نہیں کرتی، بلکہ پورے قرآن کو مرکزِ فکر و عمل بناتی ہے۔ معاشرہ کی فلاح کے لیے کی جانے والی مختلف اسلامی خدمات، دینی تعلیمی اداروں کا قیام، اسلامی عقائد و عبادات کی تعلیم کے لیے دینی مجلسوں اور اصلاحی جلسوں کا انعقاد، بے جا رسوم و روایات سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے اصلاحِ معاشرہ کے نام سے ہونے والی جدو جہد، مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی کوششیں، فلاحی و رفاہی انجمنوں کی تشکیل کی وہ حمایت بھی کرتی ہے، اور خود بھی یہ خدمات انجام دیتی ہے۔ لیکن انھیں اپنی توانائیوں اور پروگراموں کا مقصودِ اصلی نہیں بتاتی۔ بلا شبہ یہ مبارک اور مسعود خدمات بڑی قابل قدر ہیں اور ہر طرح کی تائید و تقویت کی مستحق ہیں، لیکن اقدام کو بقا سے، تحریک کو تحفظ سے اور جدید کو قدیم سے ممتاز کیے بغیر ہم تحریک اسلامی کی صحیح تعریف نہیں کر سکتے اور نہ اس کی کما حقہ شناخت ہو سکتی ہے۔ اسے دنیا کی تمام اسلامی تحریکوں نے مروجہ دین داری کو احیائے دین کے لیے ناکافی قرار دیا ہے۔ انھوں نے اسلام کو عقائد و عبادات سے آگے بڑھ کر خاندان و معاشرت، سیاست و تہذیب اور معاشرہ و ریاست کے تمام میدانوں میں متحرک اور جاوداں دیکھنے کی آرزو ظاہر کی ہے اور اس کے مطابق نقشۂ کار، حکمت عملی اور منصوبہ سازی کو اپنی پالیسی و پروگرام میں جگہ دی ہے۔

تحریک اسلامی کے ایک کارکن کو دعوت اور اقامت دین کے فریضے کی ادائی میں ایک داعی کا مزاج تشکیل دینا پڑتا ہے۔ داعی کے مزاج سے مراد، اخوان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

المسلمون مصر کے رہنما بہی الخولی کے الفاظ میں یہ ہے کہ وہ درج ذیل ہتھیاروں سے مسلح ہو:

(الف) حقیقت پسندانہ عقلیت، جو محض نظریاتی نہ ہو، بلکہ محسوس و مشاہد ہو اور عمل سے ہم آہنگ ہو۔

(ب) روحانیت، جو مادیت سے کارکن کو بلند کر دے۔ یہ روحانیت معاشرتی ہو، رہبانیت کی طرف مائل نہ کرتی ہو، نہ اسباب و وسائل کو چھوڑنے کی دعوت دیتی ہو۔

(ج) ایجابی فطرت، جو اقدام و عمل پر داعی کو آمادہ کرے اور منفی ذہنیت سے محفوظ رکھے۔ ۲؎

'حقیقت پسندی' کی تشریح کرتے ہوئے فاضل مصنف کہتے ہیں کہ قرآن نے جو اسلوب اختیار کیا ہے اس میں فکر و فلسفہ بھی ہے اور محسوس و مشاہد حقائق کا ادراک بھی۔ کچھ لوگ اپنے افکار و نظریات خالص عقلی و فکری انداز میں پیش کرتے ہیں، علت و معلول، اسباب و مسببات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں، فکر و نظر کی گہرائیوں میں اتر کر جزئیات و کلیات اور مختلف مفروضات و حقائق کی چھان بین کر کے انھیں عوام کے سامنے پیش کر دیتے ہیں اور بس۔ اس طریقۂ کار سے دل کے تار چھیڑے جا سکتے ہیں نہ دلوں اور دماغوں میں کوئی ہلچل پیدا کی جا سکتی ہے۔ سچا داعی وہ ہے جو عملی زندگی سے بحث کرتا ہے اور واقعات کی دنیا کو موضوع بناتا ہے۔ ۳؎

'معاشرتی روحانیت' سے استاد بہی خولی 'روح اور مادہ کا حسین اور متوازن اجتماع' مراد لیتے ہیں۔ کیوں کہ انسان روح اور مادہ دونوں سے مرکب ہے اور دونوں کا اپنا نظام اور اپنے تقاضے اور مطالبات ہیں۔ اسے روح اور مادہ دونوں کے حقوق حکمت، نظم اور سلیقہ سے ادا کرنا ہے۔ معاشرتی روحانیت سے متصف شخص دونوں زندگیاں جیتا ہے۔ اس کی پرواز دونوں دنیاؤں میں رہتی ہے۔ اس کا جسم زمین پر ہوتا ہے، لیکن حقیقت آسمان پر رہتی ہے۔ اعضاء و جوارح اہل دنیا کی طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام کرتے ہیں، لیکن روحانی صلاحیتیں عارفین حق کی طرح کسی اور ہی مقصد کے لیے وقف ہوتی ہیں۔ وہ رہتا ہے لوگوں کے درمیان، لیکن سیر ملأ اعلیٰ کی کرتا ہے۔ وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے بے گانہ ہوتا ہے۔[۴]

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور ہے، مجاہد کی اذاں اور

ایجابی فطرت اور عملی مزاج سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ سے اپنا تعلق جوڑ کر خاموش نہ بیٹھ جائے، ورنہ یہ سلبی روحانیت ہوگی، بلکہ تعلق باللہ اسے اقدام پر، ایجابی منصوبہ بندی پر اور تنقید و عمل پر آمادہ کرے۔ دوسرے لفظوں میں مصنف اسے 'خدائی سیر' کا نام دیتے ہیں، جس کی دو واضح خصوصیات ہیں:

۱۔ ایمان وہ بھڑکتا ہوا انگارہ ہے جس سے داعی قوت عمل اور غیرت حق اکتساب کرتا ہے۔

۲۔ یہ ایک قوت محرکہ ہے جس کی وجہ سے داعی یہ احساس رکھتا ہے کہ تنفیذ اور عمل کی طرف بڑھنا ناگزیر ہے۔

دعوت و اقامت دین کی ان تحریکوں کی جدو جہد علمی و فکری سطح پر بھی ہوتی ہے اور عمل و اقدام کے میدانوں میں بھی۔ ان دونوں کے درمیان توازن قائم رکھنا ایک نازک کام ہے۔ بسا اوقات ملک وملت کے مسائل اور فوری بحرانوں کو حل کرنے میں تحریک اس قدر الجھ جاتی ہے کہ علمی و فکری اہداف نظروں سے اوجھل ہونے لگتے ہیں اور کبھی اس کے علی الرغم پوری تحریک علمی منصوبہ بندی میں اس طرح جت جاتی ہے کہ عملی حقائق اور زمینی واقعات بھی صرف نظر ہو جاتے ہیں۔ توازن اور اعتدال کو قائم رکھتے ہوئے علمی و فکری منصوبہ بندی کا تقاضا ہے کہ:

(الف) تحریک کے کارکن مطالعہ کو اپنی روزمرہ کی عادت بنائیں۔ مولانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۰۳ئ۔ ۱۹۷۹ئ) انجینئر مالک بن نبی (۱۹۰۳ئ۔ ۱۹۷۳ئ) شہید مرتضی مطہری (۱۹۱۹ئ۔ ۱۹۷۹ئ) کے علاوہ تحریک سے باہر کے علماء وفضلاء کی تحریروں کا مطالعہ قلب و ذہن کو وسعت بھی بخشے گا اور امت مسلمہ سے قریب بھی کرے گا۔

(ب) تحریک اسلامی کے سنجیدہ اہل قلم اور ارباب تحقیق تحریک سے باہر کے علماء وفضلائ، اربابِ علم وتحقیق سے رابطہ بنائیں۔ انھیں تحریک کی علمی وفکری منصوبہ بندی میں شامل کریں۔ ان کے تعاون و تعامل سے ایسا صالح لٹریچر تیار کریں جو مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کے لیے ضروری ہے۔ ایک زمانے میں سہ ماہی مجلہ 'تحقیقات اسلامی' علی گڑھ نے اربابِ قلم کی ایک کہکشاں تیار کرنے پر توجہ دی تھی۔ یہ کام مستقل منصوبہ بندی کا متقاضی ہے۔

(ج) دینی مدارس کے علماء اور عصری جامعات کے فضلاء کو ایک ساتھ دعوت دین کے کاز سے جوڑنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ دونوں گروہوں کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج نے امت کو دو متوازی دھاروں میں تقسیم کر دیا ہے اور اس کے نقصانات فکری انتہاپسندی کی شکل میں ظاہر ہورہے ہیں۔[۶] تحریک اسلامی ان دو متوازی دھاروں کو خدمت دین کے مقصد سے قریب کر دے تو امت کے بہت سے فکری بحرانوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

معاصر تعبیر وتشریح کی ضرورت

'مابعد مودودیت' کی اصلاح بعض دانش وروں نے یہ ثابت کرنے کے لیے استعمال کی کہ مولانا مودودیؒ کے افکار اب بدلتے حالات کا ساتھ نہیں دیتے۔ یہ سید مودودیؒ کی تحریروں کے ناقص فہم کا ثمرہ ہے، یا ان کے مقام ومرتبے کے ساتھ ناانصافی کرنے کی جارحانہ ذہنیت کی عکاسی ہے۔ ۱۵-۱۴ر جولائی ۲۰۱۲ء کو الجامعہ الاسلامیہ شانتاپورم کیرالہ میں اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا کی اسلامک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکیڈمک کانفرنس میں خاک سار نے 'مودودیؒ کا مطالعہ - معاصر دور میں' کے موضوع پر ایک بحث پیش کی۔ سید مودودیؒ نے احیائے اسلام کے لیے دستوری اور جمہوری جدو جہد کی جو اسکیم تیار کی تھی، وہ گفتگو کا خاص نکتہ تھی۔ اس کی افادیت آج پہلی سے زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ ۷؎

بلا شبہ سید مودودیؒ نے جن حالات میں تحریک اسلامی کا نظریہ پیش کیا تھا، وہ اب کافی بدل چکے ہیں۔ بدلتے ہوئے حالات میں دین کی نئی تعبیر وتشریح کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ یہ نئی تعبیر سید مودودیؒ کے فکر کی توسیع ہوگی، تغلیط نہیں۔ سید سعادت اللہ حسینی نے تحریک اسلامی ہند کے سیاق وسباق میں دعوت فکر دی ہے کہ جماعت اسلامی کے مصنفین 'مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش' کی سیاسی بحث کو کیوں آگے نہ بڑھا سکے؟ کیوں استعمار سے آزاد ملک کے احوال میں کوئی ایسا سیاسی فلسفہ تشکیل نہیں دیا جا سکا جو 'مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش' کی بحث کا فطری ارتقاء بھی ہوتا اور نئے احوال میں رہ نمائی کا ذریعہ بھی بنتا۔ ۸؎

سید مودودیؒ نے مغربی جمہوریت کو اسلام کے نظام شورائیت سے متصادم قرار دیا تھا۔ اسلامی ریاست "نہ تو مغربی اصطلاح کے مطابق مذہبی حکومت ہے اور نہ جمہوری حکومت، بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان ایک الگ نوعیت کا نظام سیاست و تمدن ہے"۔ ۹؎ مغربی اصطلاح میں مذہبی حکومت دو بنیادی تصورات کا مجموعہ ہے: ایک خدا کی بادشاہی، قانونی حاکمیت کے معنیٰ میں۔ دوسرے پادریوں اور مذہبی پیشواؤں کا ایک طبقہ، جو خدا کا نمائندہ اور ترجمان بن کر خدا کی اس بادشاہی کو قانونی اور سیاسی حیثیت سے عملاً نافذ کرے۔ مولانا مودودیؒ نے مغربی جمہوریت کو بھی دو تصورات کا مجموعہ قرار دیا تھا:

۱۔ عوام کی قانونی اور سیاسی حاکمیت، جو عوام کی اکثریت، یا ان کے منتخب کیے ہوئے نمائندوں کی اکثریت کے ذریعہ عملاً ظہور میں آئے۔

۲۔ ریاست کا انتظام کرنے والی حکومت کا عوام کی آزادانہ خواہش سے بننا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بدل سکنا۔

مغرب کے تصورِ مذہبی حکومت کے صرف ایک جزو کو سید مودودیؒ نے اسلام سے ہم آہنگ بتایا اور وہ ہے ’خدا کی حاکمیت کا عقیدہ‘ ۔انھوں نے جمہوریت کے قانونی حاکمیت کے تصور کو اللہ کے لیے خاص کیا اور سیاسی حاکمیت کو خلافت قرار دے کر اسے ریاست کے عام مسلمان باشندوں کے حوالے کر دیا۔اس طرح اسلامی ریاست کو مغربی اصطلاح کے مطابق جمہوریت قرار دینے کو سید مودودیؒ نے غلط قرار دیا۔۱۰؎

جماعت اسلامی ہند نے بدلتے ہوئے حالات کا ادراک کیا۔ ہندوستان میں رائج جمہوریت کی حمایت وتقویت ،ملکی انتخابات میں شرکت کا جواز، انتظامی اداروں میں ملازمت کا حصول،سیکولر سیاسی افراد اور جماعتوں سے ارتباط و تعاون اور سیاسی نظام میں مسلمانوں کی حصہ داری کے لیے اس کے فیصلے اور کل ہند ویلفیر پارٹی کی تشکیل وغیرہ ایسے اقدامات ہیں، جن کا فیصلہ جماعت اسلامی ہند نے طویل مشاورت اور اجتماعی اجتہاد کے بعد کیا،مگر اس کی تائید میں اسلامی لٹریچر کی تیاری کا کام ابھی باقی ہے۔مولانا مودودیؒ کی تحریریں ان فیصلوں کی تائید کرتی نظر نہیں آتیں ۔ بدلتے ہوئے حالات میں نئی تعبیر وتشریح کی فوری ضرورت کا احساس جماعت اسلامی ہند کے اکابر کو بھی ہے۔

عالم عرب کی طاقت ور اسلامی تحریک اخوان المسلمون ۱۹۲۸ء میں قائم ہوئی۔ سید قطب شہیدؒ اس کے نظریہ ساز قرار پائے۔ ۱۹۵۳ء میں وہ اخوان میں شامل ہوئے اور اس کے ترجمان ’الاخوان المسلمون‘ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔آگے چل کر وہ مکتب الارشاد (مجلس عاملہ) کے رکن بنے۔انھوں نے اپنے طاقت ور اور موثر اسلوب میں عالم عرب کے حالات پر اسلامی رہ نمائی کا فریضہ ادا کرنا شروع کیا۔ جنوری ۱۹۶۴ء میں ان کی معرکہ آراء تصنیف ’**معالم فی الطریق**‘ منظر عام پر آئی۔ اس کتاب نے یہ بحث زور شور سے اٹھائی کہ آج پوری دنیا جہالت و جاہلیت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس جاہلیت کی بنیاد ہے اللہ کے اقتدار اعلیٰ پر دست درازی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاکمیت اللہ سے بغاوت۔ ۱۱؎ تمام عرب اور مسلم حکومتیں اس جہالت و جاہلیت کو فروغ دے رہی ہیں۔ اس لیے سید قطب شہیدؒ نے کہا کہ ''آج احیاء اسلام کا آغاز اس ہراول دستے سے ہوگا جو اس کارِ عظیم کا عزم مصمم لے کر اٹھے اور پھر مسلسل منزل کی طرف پیش قدمی کرتا چلا جائے اور جاہلیت کے اس بے کراں سمندر کو چیرتا ہوا آگے کی جانب رواں دواں رہے''۔ ۱۳؎ یہی کتاب ۱۹۶۶ء میں فاضل مصنف کی شہادت کا سبب قرار دی گئی۔ ۱۴؎

مصر اور پورے عالم عرب میں جبر وظلم کی ایک طویل تاریخ سے گزر کر اخوان مجاہدین نے دعوت واقامت دین کا فریضہ انجام دیا۔ان کے متعدد رہنماؤں کو تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا۔تزکیہ وشہادت کے اس پورے سفر میں سید قطب شہیدؒ کی تحریریں ہی مرکز توجہ رہی ہیں۔ دوسرے اخوان مصنفین نے بلا شبہ دعوت وتربیت کے لیے بے شمار موضوعات پر اپنی یادگار تخلیقات پیش کیں، لیکن ان کی حیثیت تفہیم و تشریح سے زیادہ نہ تھی۔ البتہ دوسرے مرشد عام جناب حسن بن اسماعیل الہضیبیؒ (۱۸۹۱ئ۔ ۱۹۶۵ئ) کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ۱۷/اکتوبر ۱۹۵۱ء کو وہ مرشد عام منتخب ہوئے۔انھوں نے مارچ ۱۹۲۴ء تک مصری عدالتوں میں وکالت کرنے کے بعد ستائیس (۲۷) برس جج کے فرائض بھی انجام دیے تھے۔ قانونی وفقہی امور میں مہارت رکھنے کے علاوہ اخوان کے اندر ایک گروہ کی فکر میں پرورش پانے والی انتہا پسندی پر وہ سخت مضطرب تھے۔انھوں نے پوری کوشش کی کہ اخوان ملکی قوانین کی پابندی کریں اور حکومت سے کوئی تصادم مول نہ لیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنی معروف زمانہ تصنیف 'دعاۃ لا قضاۃ' تصنیف کی۔ ۱۵؎ جس میں یہ نقطۂ نظر پیش کیا کہ قرآن وسنت کی روشنی میں داعیان دین کی یہ ذمہ داری تو ہے کہ وہ اصلاح واحیاء کے لیے کما حقہ جدو جہد کریں، افراد واقوام کو زبردستی اور قوت کے استعمال سے راہِ ہدایت پر لانا ان کی ذمہ داری نہیں ہے اور غیر مسلم معاشرہ میں رہنے والے مسلمان اپنی نیت اور عمل کے مطابق اللہ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ ۱۶؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے خلاف تکفیر و تفسیق کی مہم چلانا، دعوت دین کے دائرہ سے باہر ہے۔ شیخ الہضیبیؒ کی اس صراحت و وضاحت کے باوجود انتہا پسند نوجوانوں نے 'جماعة التكفير و الهجرة' کے نام سے ایک الگ گروپ تشکیل دے دیا۔ ۱۶ ؎ اور مصر میں فکری انتہا پسندی کی ایک نئی لہر آ گئی۔ اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ آج بھی سید قطب شہیدؒ کی تحریریں عالم عرب میں سب سے زیادہ مقبول ہیں۔ اخوان مفکرین بدلے ہوئے حالات میں نئی تعبیر وتشریح کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

تکثیری معاشرہ اور اس کے تقاضے

تکثیریت کی ایک تفہیم، جو موجودہ دور میں رائج ہے، اس بات کی متقاضی ہے کہ سارے مذاہب اور متنوع افکار کو بیک وقت درست مانا جائے اور کسی عقیدہ، فلسفہ یا فکر پر تنقید نہ کی جائے۔ گویا معاشرے میں موجود سارے افکار اور فلسفے اپنی انفرادیت کھو کر ایک نئی فکر اور فلسفہ تشکیل دیں، جس میں سب کی سوچ، ذہنیت اور رنگ و آہنگ شامل ہو۔ اس فکر کے مطابق کسی ایک فکر یا عقیدے کی صداقت پر اصرار باقی نہیں رہتا۔ تکثیری معاشرہ کا ایک دوسرا فہم یہ ہے کہ مختلف ومتصادم افکار و نظریات اور عقائد کو یکساں آزادی حاصل ہو۔ کسی فکر کو صحیح سمجھنے والا آزاد ہو کہ اس فکر کی معقولیت اور نافعیت کے اثبات کر سکے اور علمی انداز اور شائستہ اسلوب میں دوسرے نظریہ پر تنقید و جرح کر سکے۔ گویا اپنے نظریے پر قائم رہتے ہوئے، دوسرے نظریات سے مباحثہ و مجادلہ کی راہ اختیار کرے۔ اس طرح تمام افکار و مذاہب کے لیے مکالمہ کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

موجودہ دور کے مسلم مفکرین نے تکثیریت کے آخر الذکر فہم کو تسلیم کیا ہے۔ انھوں نے اسلام کی حقانیت پر ایمان رکھنے کے ساتھ دوسرے مذاہب ونظریات کی آزادی وحقوق کو خوش دلی سے برحق مانا ہے اور مکالمہ اور اشتراک وتعاون کے لیے راہیں استوار کیں ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی (۱۹۳۲ئ-۲۰۱۱ئ) نے غیر اسلامی قوتوں سے اشتراک کی حدود کار پر مفصل گفتگو کی ہے۔ ان کے خیال میں مکہ میں حلف الفضول کا تاریخی معاہدہ، جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے نبوت سے قبل ایک تکثیری معاشرہ کے اندر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ یہ ایک معاہدہ تھا، جس میں مشرکین، ملحدین اور مؤحدین سب نے متحد ہو کر برائی اور ناانصافی کے خلاف مشترکہ جدوجہد کرنے کا عہد باندھا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ عہد رسالت میں بھی اس معاہدہ کی بڑی قدر کرتے تھے اور ایک روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا تھا کہ اگر اس طرح کا کوئی معاہدہ دوبارہ ہو تو آپؐ اس میں شریک ہونا پسند کریں گے۔ ڈاکٹر فریدی کہتے ہیں: ''اس قسم کی کاوشوں میں تعاون مسلمانوں کا اخلاقی فریضہ ہے۔ اپنے تعاون کو اس شرط پر مشروط کرنا کہ اس طرح کی کوشش جامع اور ہمہ جہت ہو اور معاشرے کی بنیادی برائیوں کا انسداد اس میں شامل ہو، صحیح نہیں ہے''۔ ۱۷؎

حزب النھضۃ تیونس کے رہ نما راشد الغنوشی (پ ۱۹۴۱ئ) اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام کے لیے شراکتِ اقتدار کو ناگزیر تصور کرتے ہیں، خواہ وہ معاشرہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اس شراکت کے لیے ضروری نہیں ہے کہ شریعت اسلامیہ کی تنفیذ اس کا مطمحِ نظر ہو۔ ملک میں آمریت اور ڈکٹیٹرشپ کو روکنے کے لیے بھی یہ شراکت کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح آزادی، ترقی، سماجی استحکام، شہری آزادیوں کے حصول، حقوق انسانی کے احترام، سیاسی تکثیریت کی پاس داری، عدلیہ کی آزادی کی بحالی، آزادیٔ اظہارِ رائے، اسلامی اوقاف، مساجد و مدارس کے تحفظ وغیرہ، وسیع تر مقاصد میں غیر مسلموں کی شراکت کے ساتھ بے دین اور ملحد قوتوں کے ساتھ حصہ داری نبھائی جاسکتی ہے۔ ۱۸؎

غیر اسلامی حکومتوں میں شراکت کا ثبوت راشد الغنوشی نے قرآن کریم سے فراہم کیا ہے۔ وہ سورۂ یوسف کی آیت ۵۵ سے استدلال کرتے ہیں، جس میں ہے کہ حضرت یوسفؑ نے شاہِ مصر سے درخواست کی تھی کہ ملک کے خزانے میرے سپرد کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیجیے، کیوں کہ میں ان کی حفاظت کرسکتا ہوں: (قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْأَرْضِ إِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْم) ''۔اس کے بعد قرآن حضرت یوسفؑ کے کامل تسلط اور ہمہ گیر اقتدار کواس طرح بیان کرتا ہے:

وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوسُفَ فِیْ الأَرْضِ یَتَبَوَّأُ مِنْھَا حَیْثُ یَشَاءُ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاءُ وَلاَ نُضِیْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ

(یوسف ۵۶)

''اس طرح ہم نے اس سرزمین میں یوسفؑ کے لیے اقتدار کی راہ ہموار کی۔ وہ مختار تھا کہ جہاں چاہے اپنی جگہ بنائے۔ہم اپنی رحمت سے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں۔ نیک لوگوں کا اجر ہمارے یہاں مارا نہیں جاتا''۔

حضرت یوسفؑ کا حوالہ دے کر شیخ الغنوشی نے لکھا کہ پیغمبر وقت کو جیل کی سزا کھانی پڑی،سوتیلے بھائیوں کے ناروا سلوک کو برداشت کرنا پڑا،مگر جب صحیح وقت آیا تو شاہ مصر کے دربار میں سب سے اہم ذمہ داری بڑھ کر قبول کی، تاکہ قحط اور خشک سالی میں مبتلا عوام کو راحت پہنچا سکیں۔ انھوں نے یہ انتظار نہ کیا کہ مصری عوام دعوت توحید کو قبول کرلیں اور شرک وکفر کو چھوڑ کر مؤحد بن جائیں، تاکہ ایک اسلامی ریاست کی تشکیل ہو سکے۔[۱۹]

شیخ راشد الغنوشی نے سیرت طیبہ سے ہجرت حبشہ کی مثال بھی پیش کی ہے، جو بڑی دل چسپ ہے۔ حبشہ کا بادشاہ عیسائی تھا،مگر انصاف پسند تھا۔ مکہ میں جب حالات ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئے تو رجب ۴۵ عام الفیل/ ۵ نبوی میں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

لو خرجتم الی أرض الحبشة، فان بھا ملکاً لا یظلم عندہ أحد، وھی أرض صدق حتی یجعل اللہ لکم فیکم خرجاً مما أنتم۔[۲۰]

''اچھا ہو کہ تم لوگ نکل کر حبشہ چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کرے، تم لوگ وہاں ٹھہرے رہو"۔

اس ارشاد کی بنا پر گیارہ مرد اور چار خواتین نے حبشہ کی راہ لی۔ پھر چند مہینوں کے اندر مزید لوگوں نے ہجرت کی، یہاں تک کہ ۸۳/مرد، گیارہ عورتیں اور ۷/غیر قریشی مسلمان حبشہ میں جمع ہو گئے اور مکہ میں نبی ﷺ کے ساتھ صرف چالیس آدمی رہ گئے تھے۔ ۲۱؎ صحابہ وصحابیات کی حبشہ آمد کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ مسلمان ہو گیا، اگرچہ اس نے اسلامی شریعت ملک میں نافذ نہ کی۔ اسے خدشہ ہوا کہ اسلام قبول کرنے کا اعلان ہوتے ہی اس کی سلطنت خطرہ میں پڑ جائے گی اور مہاجرین کا تحفظ مشکل ہو جائے گا۔ جب شاہِ حبشہ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔ ۲۲؎

ہندوستان کے ممتاز عالم دین مولانا سلطان احمد اصلاحیؒ (۱۹۵۲ئ۔ ۲۰۱۶ئ) نے اس موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنی کتاب 'مسلمان اقلیتوں کا مطلوبہ کردار' میں ہندوستانی مسلمانوں کے شرعی اور اسلامی کردار پر کھل کر گفتگو کی ہے۔ انھوں نے ملک وملت کی تعمیر اور بھلائی کے کاموں میں شرکت کو 'ہر مسلمان کی دینی زندگی کا لازمی ایجنڈا' قرار دیا ہے۔ ۲۳؎ انھوں نے مسلمانوں کو تاکید کی کہ ان کی اجتماعیت 'غیر متحارب اور غیر نزاعی' ہو، اس پر سخت نگاہ رکھی جائے کہ سیاسی غیر سیاسی، کسی دائرے میں اس کا رنگ و آہنگ معاندانہ نہ ہونے پائے اور ان کی تمام تر دینی اور مذہبی جماعتوں کا کردار اصلاً دعوتی، رفاہی اور اصلاحی رہے۔ ۲۴؎ انھوں نے بھی حضرت یوسفؑ اور شاہِ حبشہ کے دونوں نمونوں سے استدلال کیا کہ غیر مسلم اکثریت کے درمیان کسی منصب کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ضرورت کے تقاضے سے غیر دینی نظام حکومت کے ساتھ اشتراک وتعاون کی راہ عام مسلمان کے لیے درست اور صائب ہے۔ ۲۵؎ اس معاملے میں کلیدی مناسب ہوں یا غیر کلیدی مناصب، سب یکساں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ: "عدلیہ انتظامیہ اور مقننہ کی چھوٹی بڑی ہر طرح کی ملازمت اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھوٹا بڑا ہر طرح کا عہدہ ومنصب مسلمان اقلیت کی یکساں ضرورت ہے۔۲۶؎

مولانا اصلاحیؒ ملک کی مقننہ یعنی اس کی اسمبلی اور پارلیمنٹ اور اس کے واسطے سے حکومت اور وزارت میں مسلمان اقلیت کی مؤثر حصہ داری کے لیے انتخابات میں شرکت کو ضروری قرار دیتے ہیں اور قوم اور اجتماعیت کی حیثیت سے مسلمان امت کو ہوم ورک اور منصوبہ بندی کی تلقین کرتے ہیں۔ اسی طرح انتظامیہ و عدلیہ میں جگہ پانے کے لیے مقابلہ جاتی امتحانات میں شرکت کو ضروری تصور کرتے ہیں۔ ۲۷؎

تکثیری معاشرے میں اسلام کی رہنمائی سے متعلق یہ تخلیقات بہت اہم ہیں مگر بہت سے سوالات ہنوز حل طلب ہیں۔ اس نئے فلسفے کی مکمل اسلامی تفہیم ابھی باقی ہے اور اس کے بطن سے جنم لینے والے اشکالات کا شافی جواب دینا اسلامی تحریکوں کا فوری مسئلہ ہے۔

خواتین کے اسلامی کردار کی بحالی

'خواتین کی آزادی عہد رسالت میں' شیخ عبدالحلیم ابوشقہ کی ایک مشہور کتاب ہے۔ اس میں انھوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ آج کی مسلمان عورت دو جاہلیتوں میں سے کسی ایک کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ ایک طرف ''چودھویں صدی ہجری میں پائے جانے والے غلو، تشدد اور آباء و اجداد کی اندھی تقلید کی جاہلیت'' ہے اور دوسری طرف ''بیسویں صدی عیسوی میں پائی جانے والی برہنگی، اباحیت اور مغرب کی اندھی تقلید کی جاہلیت'' ہے۔ اور یہ دونوں جاہلیتیں اللہ کی شریعت سے بغاوت کے مترادف ہیں۔ ۲۸؎ مسلم عورت روایت اور تجدد کی ان دونوں جاہلیتوں کے درمیان پس کر رہ گئی ہے۔

فاضل مصنف کا خیال ہے کہ عورت سماج کا نصف حصہ ہے، لیکن وہ عضو معطل کی مانند ہے، کیوں کہ وہ ایک مجاہد نسل پیدا نہیں کر رہی ہے، نہ امت مسلمہ کی سیاسی و معاشرتی بیداری میں حصہ لے رہی ہے۔ لہٰذا مسلم عورت کی آزادی مسلمان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرے کے نصف حصہ کی آزادی ہے اور عورت اس وقت تک آزاد نہیں ہوسکتی جب تک مرد نہ آزاد ہو اور دونوں اسی صورت میں آزاد ہو سکتے ہیں جب اللہ کی شریعت وہدایت کا اتباع کیا جائے۔۲۹؎

سماجی زندگی میں خواتین کا اسلامی کردار کیوں گم ہو گیا ہے؟ فاضل مصنف نے اس کے درج ذیل اسباب بیان کیے ہیں:

۱۔ باقی ماندہ جاہلی عادات و رسوم کے اثرات، خواہ عرب جاہلیت کے رسوم ہوں یا اسلام میں داخل ہونے والی دوسری اقوام کی رسوم وروایات۔

۲۔ مسلم معاشرے میں موجود تشدد اور غلو کے رجحانات۔

۳۔ بعض علماء سلف کے غلط یا مرجوح اجتہادات، جن کے سنگین نتائج کا اثر جمود اور تقلید کی وجہ سے صدیوں رہا۔

۴۔ احادیث کی سندوں کی تحقیق ائمہ اربعہ کے دور کے بہت بعد میں ہوئی اور خود ائمہ کے بعض اقوال احادیث کی میزان پر تولے نہیں جا سکتے۔ اس طرح سند کی مخالفت بعض امور میں ہوئی۔۳۰؎

دورِ نبویؐ میں خواتین کو جو مقام و مرتبہ حاصل تھا اور وہ جن حقوق اور آزادیوں سے بہرہ ور تھیں، انھیں بحال کرنا اسلامی تحریکوں کی ترجیحات میں داخل ہے۔ دعوت و اصلاح اور تجدید و احیاء کا کام تشفی بخش طریقے سے اسی وقت انجام پا سکتا ہے جب کہ معاشرہ کے اس نصف حصہ کی سماجی زندگی اسلام کی روشنی میں بحال ہو۔

مصری مصنف شیخ محمد الغزالیؒ (۱۹۱۷ء–۱۹۹۶ء) چودھویں صدی ہجری میں مسلم امت کے زوال کے اسباب پر گفتگو کرتے ہیں تو درج ذیل امور کی نشان دہی کرتے ہیں:

۱۔ دین کا ناقص فہم

۲۔ نااہل اور بددیانت افراد کا قیادت کے منصب پر فائز ہونا

۳۔ دین سے خواتین کے تعلق کی کمزوری۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ اساطیری تصور مذہب پر بڑھتا ہوا یقین۔ ۳۱

انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایک بیوی مسجد نبوی میں فجر اور عشاء کی نمازیں جماعت سے ادا کرتی تھیں۔ ان سے پوچھا گیا: آپ گھر سے باہر کیوں نکلتی ہیں؟ جب کہ آپ کو معلوم ہے کہ عمرؓ اسے سخت ناپسند کرتے ہیں اور خلافِ غیرت تصور کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا: پھر وہ مجھے حکماً کیوں نہیں روک دیتے؟ لوگوں نے کہا: انھیں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد روک رہا ہے کہ ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں جانے سے مت روکو''۔ ۳۲ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ حدیث روایت کی تو ان کے بیٹے نے کہا: بخدا ہم انھیں مسجدوں میں نہیں جانے دیں گے۔ باپ بیٹے پر سخت ناراض ہوئے اور ان کی یہ ناراضگی آخر تک برقرار رہی۔ اس تاریخی واقعہ کو نقل کرکے شیخ الغزالی تأسف کا اظہار کرتے ہیں:

> ''یہ عجیب معاملہ ہے کہ ملت اسلامیہ اپنے آخری ادوار میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحب زادے کے مسلک کی تو قائل ہوگئی، لیکن باپ کی روایت کردہ حدیث سے اس نے نظریں پھیر لیں۔ چنانچہ پنج وقتہ نمازوں کی مسجدوں میں ادائیگی اور خطبات و دروس کی سماعت و استفادہ سے عورتیں آج تک محروم چلی آرہی ہیں۔ مسجدوں سے عورتوں کو محروم کرنے کی یہ روش پوری تاریخ میں برقرار رہی، جس کی وجہ سے مسلم خاندان کا زبردست نقصان ہوا اور فرض عبادات سے بھی ان کا رشتہ ٹوٹ گیا''۔ ۳۳

ڈاکٹر فضل الرحمن فریدیؒ خواتین کے حقوق سے غفلت اور غیر دانش مندانہ حکمت عملی اختیار کرنے کو تحریک اسلامی کے لیے مضر خیال کرتے ہیں۔ ان کا درمندانہ تجزیہ یہ ہے کہ علماء دین اور اسلامی تحریکوں کو خواتین کے معاملے میں 'دفاع اور تحفظ' کی جگہ اسلامی نقطۂ نظر کا پوری قوت سے اثبات کرنا چاہیے اور اقدامی انداز اختیار کرنا چاہیے۔ ایسا اثبات جس سے ایک طرف اسلامی نظام فکر کی خیر و برکات اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے توازن اور عدل واضح ہوتے جائیں اور دوسری طرف عصری نقطۂ نظر کی بنیادیں منہدم ہوتی چلی جائیں اور اس کی اساس پر تشکیل پانے والے سماج کی خیرہ کن تاب ناکی کے پس پردہ تاریکیوں کی جھلک بھی دکھائی جاتی رہے۔

اس اثبات کا محور، ڈاکٹر فریدی کے الفاظ میں ''اسلامی نظام فکر وعمل اور اس کے اصول و اقدار ہوں گے۔ ان کی واضح اور جرأت مندانہ تفسیر اور تعبیر کی ضرورت ہے۔ خواتین کے کردار کے اس اثبات کا مطلب اس تاریخی ثقافت اور ان تمام اداروں کا اثبات ہرگز نہیں ہے جسے ملت اسلامیہ نے اپنے طویل سفر میں اپنی اجتماعی زندگی کا لازمی جزو بنا لیا ہے۔ ہمارے رجحانات اور ہماری مرضیات، ہمارے رسم و رواج اور ہماری کلچرل اقدار، ان سب سے نکھار کر اس کا اثبات اور توضیح وقت کا بھی تقاضا ہیں اور ہماری دینی ذمہ داری بھی۔ ۳۴''

ڈاکٹر فریدی کو اس بات کا ادراک ہے کہ علماء امت نے ہر دور میں خواتین کے حقوق اور ازدواجی تعلقات کے متعلق اسلامی بنیادوں کی تعلیم اور تشریح کے ذریعہ اصلاح کی جدو جہد جاری رکھی، مگر ان پر بھی تحفظ کا داعیہ غالب ہو گیا۔ خطرے کے مبالغہ آمیز احساسات کی وجہ سے اس امر کا اہتمام نہ کیا جا سکا کہ حقیقی اسلامی اقدار اور کلچر کے حشو و زوائد کو ممیز کیا جاتا رہے، بلکہ دین دار حلقوں کی ہمت افزائی کی گئی کہ جو کچھ بھی سرمایہ موجود ہے اس کو برقرار رکھا جائے اور انحطاط سے بچایا جائے۔ تحفظ کی اس جدو جہد میں اسلامی تعلیمات اور مسلم کلچر کی تفریق کا لحاظ نہ کیا جا سکا۔ ۳۵

ڈاکٹر فریدی بعض دین دار حلقوں کا یہ اعتراض نقل کرتے ہیں کہ مدینہ کی سوسائٹی عفیف اور پاکیزہ سوسائٹی تھی، لیکن ہم ایسے دور میں سانس لے رہے ہیں جہاں اباحیت کا غلبہ ہے، اس لیے ہمیں مزید پابندیاں لگانی پڑیں گی، بعض مباحات کو ممنوع قرار دینا ہوگا اور اجتماعی تعامل کی بعض راہوں کو بند کرنا پڑے گا، جو اس پاکیزہ سماج میں موجود تھیں۔ ڈاکٹر فریدی اس اعتراض کو دو وجوہ سے رد کرتے ہیں:

۱۔ مدینہ کے معاشرے میں بھی غلط عناصر موجود تھے، اگرچہ ان کی تعداد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حد درجہ قلیل تھی۔ منافقین ومتربصین ہر وقت گھات لگائے رہتے تھے۔

۲۔ قرآن کریم کے احکام ہر معاشرہ کے لیے ہیں، خواہ وہ مدینہ منورہ کا پاکیزہ سماج ہو، یا آج کا اباحیت زدہ ماحول۔[۳۶]

ڈاکٹر فریدی دور حاضر کے بعض رجحانات کو صحت مند قرار دیتے ہیں، کیوں کہ یہ اپنی اصل کے اعتبار سے اسلامی نقطۂ نظر سے ہم آہنگ ہیں، حالاں کہ خدائی ہدایات کی بے نیازی نے ان کی تعبیر میں افراط اور تفریط کی راہ پیدا کردی ہے۔ وہ رجحانات یہ ہیں:

۱۔ خواتین کی عمومی مظلومیت اور ضعف کو دور کرنے اور ان کو انسانی حقوق دلانے کی عام جدو جہد۔

۲۔ اجتماعی امور میں ان کے اشتراک میں اضافہ کی جدو جہد۔

۳۔ خواتین کے درمیان جہالت دور کرنے اور تعلیم کے ممکنہ وسائل بہم پہنچانے کی جدو جہد۔

۴۔ عائلی زندگی میں خواتین کو منصفانہ حقوق دلانے کی جدو جہد۔

۵۔ عورت کو مرد سے فروتر سمجھنے کے نقطۂ نظر کی اصلاح۔

۶۔ معاشی زندگی میں عورت کو استقلال عطا کرنے کی جدو جہد۔[۳۷]

فاضل مصنف ان رجحانات کو بلا سوچے سمجھے تسلیم کرنے کا مشورہ نہیں دیتے، کیوں کہ ان کے علم بردار بالعموم دین و مذہب سے بیگانہ ہیں۔ ان کی فکر میں ژولیدگی اور ابہام ہے، ان کی تعبیریں خواہش نفس اور تجدد کی ترجمان ہیں اور ان میں افراط وتفریط بھی ہے اور ردعمل بھی۔ اگر اسلامی تحریک کوشش کرے تو اسلام کے عادلانہ اور متوازن فکر کے طفیل ان قدروں کا متوازن امتزاج اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے جو عصری اصطلاحات کی زبان میں سمجھ میں آسکے۔[۴۰]

غیر مسلموں سے تعامل

بیسویں صدی میں مغرب کے لادینی نظام کے خلاف اسلامی تحریکوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلا شبہ عظیم الشان لٹریچر تیار کیا، جس نے مغرب کے الحاد پر تنقید کرنے کے ساتھ اس کے استعماری عزائم کو بھی بے نقاب کیا۔ مغرب کی فکری و عسکری یلغار نے مسلمان علمائ، مصلحین اور داعیان کو آمادہ کیا کہ وہ ایک نئے علم الکلام کے ذریعہ اسلام کی حقانیت پر مسلمانوں کے ایمان و اعتقاد کو بحال کریں اور عقلی استدلال کے ساتھ جانب دار اسلوب میں نظام زندگی کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کریں۔ علامہ اقبالؒ نے بالکل درست تبصرہ کیا تھا ؎

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

محمد اقبال، سید مودودی، سید ابو الحسن علی ندوی (۱۹۱۴ئ۔۱۹۹۹ئ) مریم جمیلہ (۱۹۳۴ئ۔ ۲۰۱۲ئ) سید قطب، محمد قطب (۱۹۱۹ئ۔ ۲۰۱۴ئ) محمد الغزالی، ڈاکٹر علی شریعتی، شہید مرتضی مطہری، سید حسین نصر، طارق رمضان (پ۱۹۶۲ئ) خورشید احمد (پ ۱۹۳۲ئ) مالک بن نبی، بدیع الزماں سعید نورسی (۱۸۷۳ئ۔۱۹۶۰ئ) رحمہم اللہ جیسے دانش وروں اور علماء کی ایک کہکشاں ہے، جس نے مغربی فکر و فلسفہ کے خلاف اسلام کی صداقت، معقولیت اور نافعیت کو ثابت کرنے کے لیے اپنے ملکوں میں صالح ادب تیار کیا۔ اس لٹریچر کا بین الاقوامی زبانوں میں ترجمہ ہوا، جس کی وجہ سے اس کے اثرات کسی ایک خطہ تک محدود نہ رہ سکے۔ دھیرے دھیرے فکر کی مرعوبیت، احساس کم تری اور معذرت خواہانہ ذہنیت کا خاتمہ ہوا۔ مسلم نوجوان اسلام وایقان کی دولت سے مالا مال ہوکر دعوت واحیاء دین کی جدو جہد میں لگ گئے۔

مغرب نے اسلامی تحریکوں کو بدنام کرنے اور احیاء اسلام کے مشن کو ناکام بنانے کے لیے عسکری وعلمی تمام حربے اختیار کیے، مگر عالم اسلام میں مغرب کے خلاف نفرت بڑھتی گئی اور اسلامی تحریکوں کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ دھیرے دھیرے بعض عوامل کے تحت پوری غیر مسلم دنیا مسلمانوں کی نفرت میں محارب اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاند بن گئی۔ امریکہ اور مغرب کی جارحیت پسند حکومتیں ہی نہیں، وہاں کے عوام بھی دشمنوں کی صف میں کھڑے کر دیے گئے اور ان سے مسلمانوں کا انسانی تعامل تھم گیا، جس کے نتیجے میں دعوت اسلامی کا دائرہ کار عملاً مسلمانوں کے اندر محدود ہو کر رہ گیا۔ اس کا براہ راست نقصان اسلامی تحریکوں کو پہنچا۔ اسلام، مسلمان اور اسلامی تحریک سے مغرب کی دوری بڑھی۔ دونوں کے درمیان غلط فہمیاں تیزی سے پرورش پائیں۔ طرفہ تماشا یہ ہوا کہ مسلمان ممالک کی مغرب نواز قیادت نے اپنے مفاداتِ حاصلہ کے تحفظ کے لیے اسلامی قائدین کو ہر طرح کی بنیادی سہولتوں اور آئینی و دستوری حقوق سے محروم کیا، بلکہ ان پر بے پناہ ظلم وستم روا رکھا۔ قید و بند سے لے کر تختۂ دار تک تمام صعوبتیں ان پر مسلط کر کے ان کی زندگی اجیرن بنا دی۔ ردِّ عمل میں اسلامی تحریکوں اور مسلم سربراہان مملکت کے درمیان کشاکش بڑھی۔ اوپر سے مغرب نے مسلم ممالک پر مسلط کردہ رہ نماؤں کی حمایت کی اور انھیں اپنے عوام پر بدترین مظالم ڈھانے کی کھلی چھوٹ دے دی۔ جمہوری و انسانی اقدار کی کھلم کھلا خلاف ورزی نے مسلم ملکوں میں بھی اور مغرب میں کام کرنے والے بعض افراد، حلقوں اور اداروں کے اندر بھی انتہاپسندی اور تشدد کو فروغ دیا، جس کا خمیازہ آج پوری امتِ مسلمہ کو بھگتنا پڑا ہے۔ بعض حلقے اور جماعتیں پورے مغرب کو دشمن قرار دے کر اس کے خلاف جنگ لڑنے کی نظریہ کاری کر رہی ہیں۔ مسلمانوں اور مغرب کے درمیان یہ کشاکش دعوت اسلامی کو کام کرنے کا موقع نہیں دے رہی ہے۔ مغرب کو حالت جنگ میں کھڑا کر کے انھوں نے وہاں کے انسانوں سے سماجی و معاشرتی تعامل کی راہ بند کر دی۔ اس پر وقفہ وقفہ سے انجام پانے والی پر تشدد کارروائیاں حالات کو اور سنگین بنا دیتی ہیں۔ معصوموں کے قتل عام سے اسلام اور دعوت اسلامی کی تضحیک، استہزاء اور تذلیل میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

اس صورت حال کا استحصال وہ قوتیں کرتی ہیں جو مسلمانوں کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتیں۔ ۲۰ رمئی ۲۰۱۶ء کے روزنامہ انقلاب نے صفحہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۵؍ر پر ملیالم زبان میں ایک پوسٹر شائع کیا ہے، جس کا آغاز عربی میں تحریر ’السلام علیکم‘ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ کسی نامعلوم بلاگر کی اس پوسٹ میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ ’’جہاد کے راستے کو اختیار کرتے ہوئے ملک کے آئین کو تسلیم نہ کریں‘‘۔ خبر کے مطابق کیرلا پولیس نے اس نامعلوم بلاگر کی تلاش شروع کردی، جس کے بارے میں شبہ ہے کہ وہ دہشت گرد تنظیم داعش کا حامی ہوسکتا ہے، تاہم نہ صرف پولیس اس بلاگر کا پتہ لگانے میں ناکام رہی، بلکہ اب تک یہ بھی واضح نہیں ہوسکا کہ اب تک اس پوسٹ کو شائع کرنے والے کا اصل مذہب کیا ہے؟ بلاگر نے اس پوسٹ میں داعش کے نام نہاد خلیفہ ابوبکر بغدادی سے وفاداری کا اعلان کیا ہے اور مسلمانوں پر زور دیا ہے کہ وہ ہندوستان کے آئین کو تسلیم نہ کریں۔ بلاگر نے مزید لکھا ہے کہ خلافت کا حصول قتل و غارت گری سے ہی ممکن ہے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین واحد رشتہ جنگ کا ہے۔ نامہ نگار لکھتا ہے کہ مختلف سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس پر ان دنوں مسلمانوں سے منسوب اس طرح کی پوسٹس کا خوب پروپگنڈا کیا جا رہا ہے، جس کا مقصد مسلمانوں کو بدنام کرنا اور انھیں انتہا پسند اور دہشت گردی کو فروغ دینے والی قوم کے طور پر لعن طعن کرنا ہے۔

سوشل ویب سائٹس پر اس طرح کی پوسٹس آئے دن کا معمول بن چکی ہیں۔ غالب گمان ہے کہ ان کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنا ہے، مگر کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ عالمی سطح پر مسلمانوں میں بعض ایسے طائفے پیدا ہو چکے ہیں جو تمام غیر مسلم دنیا کو دشمن اور معاند قرار دے کر ان سے جنگ کرنے کو اسلام اور دعوت اسلامی کا تقاضا سمجھتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ عام انسانوں سے تعامل کی قرآنی بنیاد حسن سلوک اور عدل و انصاف ہے نہ کہ عداوت و نفرت۔ سورۃ الممتحنہ کی آیات ۸۔۹ اس باب میں فیصلہ کن ہیں۔ آیت آٹھ (۸) میں صراحت ہے کہ جو غیر مسلم تمھارے ساتھ عداوت نہیں برتتے، انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ عداوت نہ برتو، بلکہ تم ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ آیت نو (۹) میں مزید صراحت ہے کہ کفار سے ترکِ تعلق کا جو حکم اس سورہ کی ابتدائی آیات میں دیا گیا ہے اس کی وجہ ان کا کفر نہیں، بلکہ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ ان کی عداوت اور ان کی ظالمانہ روش ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ان آیات کی بہترین تشریح اس واقعہ کو قرار دیا ہے جو سیرت و تاریخ کی کتابوں میں حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ اور ان کی کافر ماں سے متعلق بیان ہوا ہے۔ بخاری، مسلم اور مسند احمد میں یہ واقعہ مروی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی ایک بیوی قتیلہ بنت عبد العزیٰ کافر تھیں اور ہجرت کے بعد مکہ ہی میں رہ گئیں تھیں۔ حضرت اسماءؓ ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب مدینہ اور مکہ کے درمیان آمد و رفت کا راستہ کھل گیا تو وہ بیٹی سے ملنے کے لیے مدینہ آئیں اور کچھ تحائف بھی لائیں۔ حضرت اسماءؓ کی اپنی روایت ہے کہ میں نے جا کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا میں اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ آپؐ نے جواب دیا: ''ہاں! ان سے صلہ رحمی کرو۔ حضرت اسمائؓ کے صاحب زادے عبد اللہ بن زبیرؓ اس واقعہ کی مزید تفصیل یہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے حضرت اسمائؓ نے ماں سے ملنے سے انکار کر دیا تھا، بعد میں جب اللہ اور اس کی رسول کی طرف سے اجازت مل گئی تب وہ ان سے ملیں۔ [۳۹]

قرآن کریم نے تو یہاں تک ہدایت دی ہے کہ دشمن قوم اگر ظلم و زیادتی کرے تو بھی اس کے جواب میں مسلمانوں کو ناروا ظلم کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سب کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے:

وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُواْ وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدۃ: ۲)

''اور (دیکھو)، ایک گروہ نے جو تمھارے لیے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمھارا غصہ تمھیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم بھی ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مقابلہ میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔ (نہیں) جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں، ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ زیادتی کے کام ہیں، ان میں کسی سے تعاون نہ کرو"۔

اسی سورہ میں آگے اللہ نے حکم دیا ہے کہ دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کرو اس لیے کہ تقویٰ اور خدا ترسی کا تقاضا یہ ہے کہ دوست دشمن سب کے ساتھ عدل و انصاف کیا جائے:

وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُواْ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى (المائدۃ: ۸)

"کسی گروہ کی دشمنی تمھیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے"۔

اسلامی تحریکیں غیر مسلموں سے انسانیت نواز اور ہمدردانہ تعامل کی ناگزیریت محسوس کرنے لگی ہیں۔ ادھر پچھلے دنوں عالمی سطح پر تشدد اور دہشت گردی کے جو ناخوش گوار اور ہول ناک واقعات کے پیش آئے ہیں اور پورے مغرب میں اسلامو فوبیا کی جو لہر پھیلی ہے، اس نے خاص طور پر سے مسلم تحریکوں کو اپنی پالیسی و پروگرام پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ان کے علمائ، دانش ور، مصنف اور سماجی کارکن سب محسوس کرنے لگے ہیں کہ دشمن اور غیر دشمن میں تفریق کی جائے۔ جارحیت پسند حکومتوں، افراد اور ادروں کی تمام تر سازشوں کے باوجود عام انسانوں سے معاشرتی روابط بڑھائے جائیں اور ان سے سماجی تعالقات میں بہتری لائی جائے۔

۷ رجنوری ۲۰۱۵ء کو پیرس میں چارلی ہیبڈ ومیگزین کے دفاتر میں خود کش بندوق برداروں نے حملہ کر کے اس کے دس کارکنوں اور دو پولیس جوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کی وجہ اس مزاحیہ رسالے میں رسول اللہ ﷺ کے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے ذریعے اسلام اور پیغمبر اسلام کو بدنام کرنے کی سازش بتائی گئی۔ اس تشدد آمیز کارروائی کی دنیا کے تمام مسلمانوں نے مذمت کی۔[۴۲] پیرس کے مسلمانوں نے فوراً ملک سے محبت اور آئین فرانس کے سے اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وفاداری کا اعلان کیا۔ ۷/اپریل ۲۰۱۵ء کو Le Bourget سالانہ اجلاس میں وہاں کے مسلمان رہنماؤں نے جہادی جماعتوں کے اس فعل کو نفرت انگیز قرار دیا۔ عمر والاصفر اتحاد اسلامی تنظیمات برائے فرانس نے اخبارات کو جاری کردہ بیان میں کہا: ''ہم اپنے ملک فرانس کے تئیں وفادار ہیں۔ ہم اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ ہم اپنے رسول سے عشق کرتے ہیں، مگر ہم فرانس سے بھی محبت کرتے ہیں''۔

یہ ادراک وقت کی ضرورت ہے۔ اسلامی تحریکیں ان فکری وعلمی مسائل کو اپنی ترجیحات میں شامل کرلیں تو امت مسلمہ کا مستقبل درخشاں ہے۔ ہندوستان کی اسلامی تحریکوں کو یہاں کی غیر اسلامی قوتوں سے اشتراک عمل کی ضرورت کا احساس ہے۔ یہ ایک خوش آئند پہلو ہے۔ خدمت خلق سے اس کی بڑھتی ہوئی دل چسپی، ملکی تعمیر وترقی کے پروگراموں میں ہندؤوں سے تعاون وتعامل میں اضافہ ہوا ہے۔ ضرورت ہے کہ کارکنوں کے اندر اس کی ناگزیریت کے احساس میں اضافہ کیا جائے اور عبادت وخدمت کے لزوم کے تصور کو ان کے دلوں میں جاگزیں کیا جائے۔ دوسرے ملکوں میں کام کرنے والی اسلامی تحریکیں بھی اس جانب پیش رفت کررہی ہیں، کہیں حالات کے دباؤ میں تو کہیں منصوبہ بندی کے تحت۔ ضرورت ہے کہ اس انسانیت نواز تعامل کی مؤثر تفہیم وتشریح ہو اور شرعی استدلال کے ساتھ دلوں کو اس پر مطمئن کیا جائے۔ یہ مرحلہ مشکل تو ہے، مگر ناقابل عبور نہیں ؎

آئین نو سے ڈرنا، طرز کہن پر اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

حواشی ومراجع

۱۔ صدیقی، ڈاکٹر نجات اللہ، اسلامی نشأۃ ثانیہ کی راہ، مرکزی کتبہ اسلامی دہلی، اکتوبر ۱۹۷۴ئ، ص ۱۶۶

۲۔ بہی الخولی، تحریک اور دعوت، اردو ترجمہ، عبیداللہ فہد فلاحی، دی ہولی قرآن پبلشنگ ہاؤس، بیروت ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ئ، ص ۶۸

۳۔ حوالۂ سابق، ص ۷۰

۴۔ حوالۂ سابق ص، ۳۳۹۔۳۴۰

۵۔ حوالۂ سابق، ۴۰۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۔ جدید تعلیم گاہوں سے دینی و تعلیمی اداروں کے اشتراک کی ناگزیریت کے لیے دیکھیے راقم کا مضمون 'بدلتے ہوئے حالات میں مدارس اسلامیہ کی ترجیحات'۔ ماہ نامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، جلد ۳۵، شمارہ ۴، ص ۳۶

۷۔ مابعد مودودیت (Post-maududism) کی اصلاح جناب حسن الامین (پیدائش مردان پاکستان) نے اپنے مقالہ میں استعمال کی ہے جو انھوں نے ۲۰۱۰ء میں ارسمس یونی ورسٹی روٹرڈم نیوزی لینڈ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے جمع کیا تھا۔ ان کے مقالے کا عنوان تھا، From islmaism to post-islmaism , A study of a new intellectual Discourse on islam and modernity in pakistan حسن الامین کا تجزیہ یہ ہے کہ پاکستان میں 'مابعد اسلامیت' کا ابھرتا ہوا نیا ڈسکورس اسلام پسندی یا اسلامی فکر کے خلاف نہیں ہے۔ نہ اسے پوری طرح سیکولر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس نئے علمی رجحان میں اسلامی ریاست، جہاد اور عالمی اسلامی نظام کا قیام جیسے موضوعات کی جگہ بنیادی حقوق، وسیع المشربی اور انفرادی آزادی وغیرہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے، اس لیے اسے 'مابعد اسلامیت' کہا گیا ہے مگر حسن الامین اسے 'مابعد اسلامیت کی جگہ 'مابعد مودودیت' کہنا زیادہ بہتر تصور کرتے ہیں، بطور خاص پاکستان کے سیاق میں۔ راقم کی رائے ہے کہ یہ ساری اصطلاحات ایک فری ابہام کے سوا کچھ بھی نہیں۔

۸۔ حسینی، سید سعادت اللہ، تحریک اسلامی اور فکری چیلنج، ماہ نامہ عالمی ترجمان القرآن لاہور، جلد ۵، عدد ۱۲، ربیع الاول، ۱۴۳۷ھ / دسمبر ۲۰۱۵ئ، ص ۸۴۔ انھوں نے تحریک اسلامی کے حلقوں کو دعوت احتساب دی ہے۔ ان کے بقول دنیا کا مسئلہ یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی ڈھنگ کا 'تصور جہاں' (ورلڈ ویو) نہیں ہے، جہاں سے کارآمد آئیڈیاز پیدا ہوسکیں۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس ورلڈ ویوز ہیں لیکن آئیڈیاز نہیں ہیں۔

۹۔ مودودی، سید ابو الاعلی، ''اسلامی ریاست۔ فلسفہ نظام کار اور اصول حکم را''، ترتیب: خورشید احمد، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور

۱۰۔ حوالۂ سابق، ص، ۴۸۰۔ ۴۸۱ سید مودودیؒ کے علی الرغم جماعت اسلامی ہند کے ایک معتبر دانش ور ڈاکٹر فضل الرحمن فریدیؒ نے جمہوریت کو حاکمیت الٰہ کے انکار کی بنیاد نہیں مانا ہے، بلکہ اسے اصلاً ملوکیت، ڈکٹیٹر شپ اور جبر و استحصال کا متصادم قرار دیا ہے۔ انھو نے لکھا ہے کہ: ''یہ موقف کہ جمہوریت فی نفسہ طاغوت ہے، حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ سیکولرزم اس جمہوریت کی صفت بن سکتا ہے اور اس وقت اس صفت کو ہمارے ملک نے بھی اختیار کر لیا

© rasailojaraid.com